

کہ اگری وجہا گیری دوسرے مشور امیر شیخ فرید الدین بخاری حضرت کے پڑے معتقد تھے اور یہ وہی امیر ہیں جن کی کوششوں کا اگر کے بعد جہا گیر کو برسراقتدار لانے میں بڑا عمل تھا۔ صاحبِ موصوف کو ان امر اسکے ذریعہ دربار شاہی سے حضرت کے اس تعلق پر اور وہشی دائمی چاہیے تھی۔ کیونکہ قرین قیاس یہ ہے کہ وہ امر اجنب سے دو رجھا گیری میں حضرت مجدد الف ثانی کی خط و کتابت رہتی تھی، وہ حضرت باقی باللہ کے پھٹس سے عقیدت مند تھا، اور ایک ملاحظے سے حضرت باقی باللہ ہی کے واسطے سے ان کا معبود الف ثانی سے تعارف ہوا تھا۔ مصنف کو اس کی تفصیل بتانی چاہیے تھی۔

پاکستان سے آیا تھا اور اس کے اکثر امراء کے فوج اُنھی دیوار کے تھے۔ نیز ترکستان میں تصرف کا نقشبندی طریقہ رائج تھا اور نقشبندی بزرگوں کے وہاں کے ارباب اقتدار سے گھر سے تلقات تھے۔ اب حضرت باقی باللہ کا پاکستان سے اگر کے پڑے اگر کے دوسریں بیرونیں میں آنا اور یہاں طریقہ نقشبندی کا طریقہ ڈالنا اور پھر اس طریقے کا مختصر درست میں پھیل جانا اور بہت زیادہ موخر ہونا یہ موجودہ عجمی بحث کا سبق تھا۔ لیکن فاضل مصنف نے اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ ہمیں ان سے تو قع تھی کہ وہ اپنے موجودہ کے متعدد مخفی ادھر ادھر سے معلومات جمع کرنے پر اکتفا نہیں کریں گے، بلکہ اس کے بارے میں کچھ زیادہ، مگر اجاہیں گے، اور حضرت باقی باللہ کی شخصیت اور ان کے تاریخی کروپر تحقیقی نظر و المیں گئے۔ رسالہ غیر محلہ ہے، قیمت دو روپے۔ ملنے کا پتہ: کاششاد ارشد۔ ۳۱۹/۱۵ دشکنی سوسائٹی کراچی۔ ۲۸۷۰

بر صغیر میں مسلم قومیت کے تصور کا ارتقا، از محمد الیاس فارانی ایم۔ اے۔ تاخیر ادارہ مطبوعات پاکستان۔ کراچی۔

۱ یہ کتاب حکومت پاکستان کے ادارہ مطبوعات نے شائع کی ہے اور اس کا "پیش نظر" بہبیشان اعلیٰ حقیقتے کھا ہے۔ موصوف کا یہ ارتضا و تو بالکل صحیح ہے کہ "مسلم قومیت کی" یعنی اس بر صغیر کی مسلم قومیت کی اس بے بڑی شہادت اور سب سے بڑی بیجان اب بھی ملک ہے، جس کا نام پاکستان ہے..... اور یہ کہ "ہم ان سیاسی حدود ارجمند کو جھپیں پاکستان کئے ہیں، نظر انداز کر کے مسلم قومیت کا تحفظ نہیں کر سکتے۔ اس سیاسی وجود کے بغیر یہ ایک پا اور ہوا خیال، ایک تحریکی تصور رہ جاتا ہے۔ گویا مسلمانوں درگور و مسلمانی درکتاب۔ اور اس مجرم و تصور پر دنیا کا ایمان لانا شرط نہیں کیونکہ وہ

تو سیت ہی کیا جو کسی قومی تجسم کی بنیاد بن سکے ۔ لا اس سردار اُندر قمر حضور مسیح موعود کا کام تھا۔
 لیکن اس ارشاد سے پچھے بعد موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: "... اپنے میرے عزیز ہم، ہم طن
 ہیں، ہم زبان ہیں، بہت خوب بحاجان اللہ! مگر آپ حق کو حق نہیں سمجھتے۔ لہذا میرا اور آپ کا ایک خانہ
 میں سماں بہت مشکل ہے۔ دلیل ہذالتیاس۔ آپ نہ میرے ہم طن ہیں، نہ تم کھو، نہ ہم زبان، مگر آپ حق
 کو حق سمجھتے ہیں اور میرے ساتھ کارثواب اور خیر عمل میں مرشدت کے لیے تیار ہیں۔ آپ ہی میرے
 ہم قوم ہو سکتے ہیں۔ یہ سے تو سیت کا اسلامی تصور اور وہ اصول جس پر ہمارے تہذیبی نظام کی بنیاد ہے۔
 یعنی تعلیمات پر تصورات اور معتقدات کی برتری ۔"

جناب شان الحق صاحب نے اپرتویہ لکھا ہے کہ مسلم قومیت کا تحفظ پاکستان کے سیاسی حدود
 اربعہ ہی سے ہو سکتا ہے لیکن اس کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور کسی قسم کے سیاسی
 حدود ارب پہ کا محتاج نہیں۔ اس کے لیے نہ ہم طن ہونا ضروری ہے نہ ہم کھو اور ہم زبان ہونا۔ جس پیغمبر
 کو آپ حق سمجھتے ہیں اسے اگر وہ سرا بھی حق سمجھتا ہے، خواہ ڈو وہ آپ کا ہم طن پتھر نہ ہم کھو، ہم زبان،
 وہ آپ کا ہم قوم ہے۔ یہاں المخوی نے حق کی کوئی تعریف کرنے کی بھی زحمت نہیں کی ہے، اور اسے بالکل
 مجرد تصور رہنے دیا ہے۔ حالانکہ موصوف نے اپر لکھا تھا کہ "وَ قَوْمٌ هُنَّى کیا جو کسی قومی تجسم کی بنیاد
 نہ بن سکے" اور یہ کہ "اس مجرد تصور پر دنیا کا ایمان لانا شرعاً نہیں"۔ لیکن وہ سرسر ہی سفی پر المخوی نے
 تو سیت کے اسلامی تصور کو خالص مجرد بنایا ہے۔

آج پاکستان میں، پاکستان کی آئندیا لوچی کے بارے میں بحث طرح کی نظر ہے ایسا زیادہ اور موشک گافیان
 ہوتی ہیں تو ان کی بنیاد زیادہ ثابتی ہی تحریری ہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ اس قسم کی تحریر یعنی پرمشکل
 یہ کتاب حکومت پاکستان کے ادارہ مطبوعات نے شائع کی ہے۔

ایک طرف تو یہ "پا در ہوا خیال ایک تحریر یہی تصور ہے، جس کا اثبات "پیش افظاً" میں کیا گیا ہے اور
 دوسری طرف باتی پاکستان قائد اعظم کی ۱۹۴۷ء کی تقریر کے یہ واقعیت پر مبنی اور حقیقت پسندانہ
 ارشادات طاخطہ ہوں جو زیر نظر کتاب کے صفحہ ۳ پر دیے گئے ہیں:

"جب میں کہت ہوں" ہماری آزادی "تو اس سے میرا سلطب ہندوؤں، مسلمانوں دنوں کی آزادی
 ہوتا ہے جو فی الحقيقة اس لکھ کی دعیم ترین تو میں ہیں۔ جب نک ہندو ہیں اور مسلمان،

مسلمان ہیں، ہندو قوم بھی اکثریت میں ہیں ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ سکتی کہ اپنی مرضی، اپنے مذہب، ثقافت اور نظام معاشرت کو نمایاں کرے اور مسلمانوں پر جن کی قوم مختلف ہے اور جن کی تہذیب مختلف ہے پرچیزیں مسلط کی جائیں گی (یہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ ہونا یہ چاہیے، مسلطہ کی جائیں)۔ خواہ و اسے برضا درجت قبول کریں خواہ بچھو اگر اہ۔ اک سلیمان چاہئے ہیں کہ جہاں وہ اکثریت میں ہوں، انہیں اپنے طرز زندگی کے مطابق رہنے کا موقع ملا چاہیے اور جہاں ہندو اکثریت میں ہوں، وہاں وہ اپنے طریق زندگی کے مطابق رہیں۔ اس طرح دونوں قومیں اپنی مذہبی اور فتنی تصورات کے مطابق زندگی بسر کریں۔

قادِ اعظم کی مارچ ۱۹۴۵ء کی تقریر کا ایک اور اقباس ملاحظہ ہو۔ یہ کمی کتاب کے صفحہ اپر درج ہے: ”ہندوستان کی تقسیم اس سلسلے ضروری ہے کہ دونوں قومیں اپنے اپنے مذاق و مذاق کے مطابق میشیت، معاشرت، ثقافت اور سیاسی استادی میں آزادانہ طور پر زیادہ سے زیادہ سے (سے زیادہ ہے) ترقی کر سکیں۔ یہ ساری جدوجہد اسی لیے ہے کہ اس کے پورے پورے موقع حاصل ہوں اور مسلمان اپنے قومی عوام کو بروئے کار لاسکیں۔ ہم جس اہم نہاد میں مبتلا ہیں وہ صرف ماڈی فاؤنڈ کے لیے ہیں بلکہ ای حقیقت مسلم قوم کی روح اور بقاء کے لیے ضروری ہے۔“

قادِ اعظم کے ان ارشادات کے مطابق پاکستان کا قیام اسی لیے ضروری ہو گی کہ برصغیر میں دو عظیم قومیں آباد تھیں، ہندو اور مسلمان۔ بعض علاقوں میں ہندو قوم کی اکثریت تھی اور بعض میں مسلمان قوم کی اکثریت، اور دونوں کی تہذیب، مذہب اور نظام معاشرت مختلف تھا۔ قادِ اعظم چاہتے تھے کہ آزادی کے بعد ہندو اپنی اکثریت کے علاقوں میں اپنی تہذیب وغیرہ کو پرداں چڑھا دیں اور مسلمان اپنے علاقوں میں۔ اس میں مسلمانوں کے ماڈی فاؤنڈ بھی تھے اور ان کے معنوی وجود کی بقا بھی اسی طرح مکن تھی۔

مصنف اگر قادِ اعظم کے اس اساس فکر کو نقطہ آغاز نہ کر لے گے چلتے اور برصغیر میں مسلم قومیت کے تصور کا ارتقا ”پیش کرتے تو یہ کتاب آج وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی۔ میکن الخلو نے ۱۰ صفحوں میں ہر طرح کے رطب دیا ہے کو جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ خطہ جن سے آج پاکستان عبارت ہے، اُن کے متعلق ایک پیر اہم اس کتاب میں ڈھونڈنے سے نہیں سطھ گا۔ پھر مصنف

نے اس سلسلے میں جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں وہ درجہ اول تو پنجم درجے درجے کی بھی نہیں۔ پھر موصوف کی روایتی کا یہ عالم ہے کہ کتاب میں انگریزی سکے جو اقتباسات دیے ہیں، ان کا ترجمہ کرنا انہوں نے ضروری نہیں سمجھا اور یاد رہے کہ یہ اقتباسات کافی بڑے ہیں۔

صفحہ ۱۴۶-۱۴۷ اپر راج گوپال اچاریہ کی سیرت کے جملے کی ایک تقریب کا اقتباس ہے جو مہنساہم الفرقان لکھنؤ ۱۳۸۵ھ سے لیا گیا ہے دینی آج سے چار سال پہلے کی تقریب کیا اور فاضل مقرر کو مدراسہ کا گورنر بنایا گیا ہے۔ صفحہ ۲۲ پر مصنف کی بھلگتی تحریک کے متعلق یہ تحقیق ہے: "... دراصل یہ مہندو جو گنوں اور فلسفیوں کی ایک سوچی سمجھی سازش تھی وہ اس کے ذریعہ اسلام کی روح کو سخت کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں کے انکار و خیالات میں تبدیل پیدا کر کے ان کی تہذیبی و تندیفی انفرادیت کو ختم کرو یا بجا نہیں۔"

اپر کے عہد حکومت میں بر صغیر میں ایک جد اگامہ مسلم قومیت کے تصور کو کمزور کرنے کی جو کوئی ہوئیں مصنف نے ان کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ لیکن صفحہ ۲۸ سے "تحریک احیائے اسلام مجدد الف ثانی" کا بواب شروع ہوتا ہے۔ اس کا پہلا جملہ یہ ہے: "بھی کام کی بنیاد حضرت باقی بالائد نے ڈالی تھی، اسے پائے اختتام تک حضرت مجدد الف ثانی نے پہچایا۔" لیکن اس سے پہلے نہ حضرت باقی بالائد کا ذکر ہے اور نہ ان کے کام کا سایہ طرح کتاب کے اکثر ابواب غیر مربوط ہیں، اور مضمون کا تسلیل غائب ہے۔

"پیش لفظ" میں حقیقی صاحب نے مصنف کی تعریف میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے موضوع پر نہایت مفید معلومات بڑی محنت سے فراہم کی ہیں، اور انھیں بڑی خوبی سے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب جامع بھی ہے، مربوط بھی اور مجلل بھی "حالانکہ یہ کتاب نہ جامع ہے نہ مربوط۔ اس میں نہ کوئی مفید معلومات ہیں اور محنت تو اس پرسرے سے کہی نہیں گئی۔ کتاب کے بڑے سائز کے ۲۰۹ صفحے ہیں اور قیمت تین روپے۔

ثہرے
ماہر مکتبہ منسوس رہا (جہاں تک کہ رہے)

الاحتیاء (عربی) در انگریزی دونوں زبانوں کا یہ رسالہ مشہور ایڈ و کیٹ اور سابق وزیر صفت پاکستان کی چیف ایڈیٹری میں لاہور سے نکلا گا شروع ہوا ہے اور ہمارے پیش نظر اس کا پلا شمارہ